اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ کِتٰبِ اللّٰہِ وَ کَانُوْا عَلَیْہِ شُھَدَآءَ (المآئدہ: 44)

وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَر

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر: 28)

وَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَر

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ لا وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (المجادلہ: 11)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

ظاہری اور باطنی علوم کا سنگم:

علمائے کرام کے اس اجتماع میں اپنے اسلاف سے متعلّق باتیں کرنے کا ارادہ ہے۔ جس طرح ہمارا روحانی رشتہ سینہ بہ سینہ نبی علیہ السّلام تک پہنچتا ہے اور شجرہ کہلاتا ہے اسی طرح ہمارا علمی تسلسل بھی ہے جو اکابرین علمائے دیوبند سے ہوتا ہوا نبی علیہ السّلام تک پہنچتا ہے۔ ہمارے اکابرین علمائے دیوبند علمی اور روحانی دونوں نسبتوں کے حامل کامل تھے۔ جب درس حدیث دینے بیٹھتے تو عسقلانی اور قسطلانی نظر آ رہے ہوتے تھے اور جب کبھی مسند ارشاد پر بیٹھتے تھے تو جنید اور بایزید نظر آتے تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو دونوں علوم سے نوازا تھا۔ وہ حقیقیت میں ''مرج البحرین'' تھے۔ وہ ظاہری علوم اور باطنی علوم کا سنگم تھے۔ ان کی قربانیوں کی وجہ سے انگریز کے دور میں بھی دین محفوظ رہا ہے۔ اسی بنا پر ہم آج اس دین پر عمل کرنے کے قابل ہیں۔

علمی ورثہ کی حفاظت:

دنیا کے دوسرے ممالک کو دیکھئے البانیہ، بوسنیا اور کوسووا جہاں پر غیر مسلموں نے غلبہ کیا وہاں مسلمانوں کی زندگیوں میں سے علم بالکل ختم ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ وہاں لوگوں کو کلمہ پڑھنا بھی نہیں آتا تھا۔ جب کہ اس برصغیر میں انگریز کی دوسو سال کی حکومت بھی ہم سے علمی ورثہ نہ چھین سکی۔ یہ دین والی نعمت باقی رہی اور الحمدللہ آج ہم اس دین کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں۔

فرنگی تہذیب کے خلاف کاروائیاں:

یہ حفاظت بھلا کیسے ہوئی؟ اس کے پیچھے لاکھوں علما کی قربانیاں موجود ہیں۔ کچھ عشاق تو وہ تھے جو جان کے نذرانے پیش کر گئے اور کچھ وہ تھے کہ جنہوں نے فرنگی تہذیب کے خلاف زندگی گزار کر یا پابند سلاسل ہو کر مشکلات میں زندگی گزاری مگر دین کو اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ چٹائیوں پر بیٹھنے والے ان حضرات نے اپنے لئے بھی غربت برداشت کی اور اپنی اولاد کے لئے بھی مگر دین کی حفاظت کر گئے۔ ہر طالبعلم کو اپنے اسلاف کی اس تاریخ کا علم ہونا ضروری ہے۔ علما حضرات تو پہلے ہی جانتے ہیں تاہم اپنا سبق یاد کرنے کی خاطر یہ عاجز آج اپنے ان اسلاف کی باتیں عرض کرے گا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی بنیاد:

1601 عیسوی میں انگریزوں کا ایک قافلہ واسکوڈے گاما کی سربراہی میں بمبئی کے ساحل پر اترا اور اس نے مغل بادشاہوں سے کہا کہ ہم یہاں پر تجارت کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی مادی ترقی نے وقت کے حکمرانوں کو بڑا متاثر کیا۔ چنانچہ انہوں نے دل کھول کر ان کو خوش آمدید کہا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام پر ایک فرم بنی۔ جس کے دفاتر مختلف علاقوں میں کھولے گئے۔ 100 سال کے عرصے میں اس کی تجارت اتنی چمکی کہ اکثر و بیشتر تجارتی معاملات اس کی مٹھی میں آ گئے۔

انتظامی امور اور مداخلت:

جب انگریز نے دیکھا کہ تجارت پر اس نے قابو پا لیا ہے تو اس نے انتظامی امور میں بھی عمل دخل شروع کر دیا۔ چنانچہ 1701ء تک ہندوستان کے مختلف علاقوں میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے پرچم لہرا رہے تھے۔ انگریز چھوٹے چھوٹے علاقوں کا نظام اپنے ہاتھ میں لے رہا تھا۔ ظاہر میں تجارت تھی لیکن اندر نیت یہ تھی کہ ہم نے بالآخر اس ملک پر قابض ہونا ہے۔ فرنگی ان کاموں کو اتنی چالاکی، عیاری اور ہوشیاری سے کر رہا تھا کہ وقت کے حکمرانوں نے اس کا ادراک نہ کیا۔ 1740ء تک انگریز چار مختلف صوبوں کا گورنر بن چکا تھا۔ قدرت کے کچھ فیصلے ہوتے ہیں۔

شاہ ولی اللہؒ کی ولادت:

ایک طرف فرنگی کوششیں اتنی زیادہ ہو رہی تھیں تو رب کریم نے دوسری طرف ان کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے ایک بندے کو پیدا کیا۔ چنانچہ دہلی کے ایک بزرگ عالم شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ایک بیٹا ہوا۔ جن کا نام انہوں نے ولی اللہ رکھا۔ 1702ء میں شاہ والی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔ انگریزوں کے اس ملک میں آنے کے پورے ایک سو سال بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے۔

اکتساب علم:

جب اپنی جوانی کی عمر کو پہنچے تو مقامی علما سے جو علم حاصل کرنا تھا وہ حاصل کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور انہوں نے وہاں شیخ ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے علم حاصل کیا۔ شاہ ولی اللہ وہ عالم دین ہیں جنہوں نے سب سے پہلے قرآن مجید کا فارسی میں ترجمہ کیا۔ جن کی کتابیں ”حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات الٰہیہ، فیوض الحرمین“ اکثر علما کی نظروں سے گزری ہوں گی۔ انہوں نے حرمین شریفین سے واپس ہندوستان آ کر

با قاعدہ دین کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔

شاہ ولی اللہؒ کے بیٹے:

اللہ رب العزت نے انہیں فرزندار جمند عطا کئے۔شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ،شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ یہ سب آفتاب اور ماہتاب تھے۔''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کے مصداق تھے۔شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔1762ء میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات ہوئی۔

انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ:

اس کے بعد ان کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ان کی مسند پر بیٹھے۔شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ رب العزت نے فراست مومنانہ عطا کی تھی۔...... اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ ......انہوں نے محسوس کر لیا کہ فرنگیوں کے ارادے خطرناک ہیں۔یہ ہم سے فقط ہماری دنیا ہی نہیں لینا چاہتے بلکہ ہمارا دین بھی چھیننا چاہتے ہیں۔چنانچہ 1772ء میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ نے فرنگیوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا کہ ان کو ملک سے نکالو اور آزادی حاصل کرو کیونکہ یہ مسلمانوں کے اوپر فرض ہو چکا ہے۔

فتویٰ کا نتیجہ:

چنانچہ 1772ء کے اس فتوے کے بعد جتنی بھی آزادی کی تحریکیں چلیں وہ دراصل اس فتویٰ کا نتیجہ تھا۔تحریک ریشمی رومال، جنگ آزادی، تحریک ترک موالات اور تحریک بالاکوٹ یا اس طرح کی جتنی بھی کوششیں تھے وہ سب کی سب شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ کے فتویٰ کا نتیجہ تھیں۔مسلمانوں کے اندر ایک شعور

پیدا ہونا شروع ہوگیا کہ فرنگی لوگ فقط اپنی تجارت ہی نہیں چمکانا چاہتے بلکہ اپنی تہذیب کو بھی یہاں پر ٹھونس کر اپنا طرز زندگی بھی دینا چاہتے ہیں۔اس شعور کے پیدا ہونے کے بعد دوسرے علمائے کرام نے بھی اس حقیقت کو محسوس کیا کہ ہمیں فرنگی سے نجات حاصل کرنا ضروری ہے۔

معرکہءسرنگاپٹم:

چنانچہ 1792ء میں سرنگاپٹم میں حیدر علی کے بیٹے سلطان ٹیپو نے انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی۔ یہ دل میں دین کا درد رکھنے والا بندہ تھا۔وہ اپنے کئی فوجیوں کو لے کر انگریز کے ساتھ نبرد آزما ہوا مگر اس کی فوج کے اندر ایک منافق بھی تھا جس کا نام میر صادق تھا۔انگریزوں نے میر صادق کو 900 مربع زمین دینے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ میر صادق کی منافقت کی وجہ سے سلطان ٹیپو کو شہادت نصیب ہوئی اور مسلمانوں کو فتح نصیب نہ ہوسکی۔

جنگ پلاسی:

جب انگریزوں نے میسور پر قبضہ کرلیا تو وہ بڑے مطمئن ہوئے کہ چلو مسئلہ حل ہوگیا۔مگر اس کے کچھ عرصہ بعد نواب سراج الدین الدولہ نے انگریز کے ساتھ پلاسی کی جنگ لڑی۔اس کی فوج میں بھی ایک منافق تھا جس کا نام میر جعفر تھا۔ اس کو انگریز نے حسب عادت مال و دولت کا لالچ دیا تو اس نے سارے راز ان کو بتلا دیئے۔ چنانچہ 22 گھنٹے کے اندر یہ جنگ پلاسی بھی اپنے منطقی انجام کو پہنچی اور انگریز اس میں بھی غالب رہا۔

رنجیت سنگھ کی تعیناتی:

جب انگریز نے میسور اور پلاسی کی یہ جنگیں جیت لیں تو اس نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ تحریکیں کیوں کھڑی ہو رہی ہیں،ان کا کچھ پکا بندوبست کرنا چاہیئے تا کہ آئندہ ہمارے خلاف کوئی تحریک کھڑی ہی نہ

ہو سکے۔ چنانچہ اس نے مسلمانوں کے اوپر اپنا شکنجہ کسنا شروع کر دیا۔ لیکن اس نے یہ بھی محسوس کیا کہ اگر میں مسلمانوں پر بلا واسطہ مظالم ڈھاؤں گا تو وہ انگریزوں کے اور زیادہ مخالف بن جائیں گے۔ چنانچہ 1824ء میں اس نے رنجیت سنگھ کو پنجاب کا گورنر بنا دیا۔

رنجیت سنگھ کے مظالم:

رنجیت سنگھ نے انگریز کے اشارے پر مسلمانوں کا وہ برا حشر کیا کہ جس کو پڑھ کر انسان کے رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ علما کو قتل کیا، مسلمانوں کی عورتوں کو بے آبرو کیا، ان کی جائیدادیں اور املاک کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ جس طرح سے بھی وہ مسلمانوں کو پریشان کر سکتا تھا اس نے کرنے میں کوئی کمی نہ کی۔ 2 سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

سید احمد شہیدؒ کا جہاد:

بالآخر دل میں دین کا درد رکھنے والے ایک بزرگ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ اب کسی نہ کسی کو قربانی دینا ہوگی تاکہ مسلمانوں کو ان مصیبتوں سے نجات مل سکے۔ لہٰذا وہ اور ان کے شاگرد شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ جن کے ساتھ تقریباً 900 کے قریب مجاہدین اور 100,00 مریدین تھے۔ انہوں نے انگریز کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا اور درہ خیبر کے راستے پشاور کے اندر داخل ہوئے۔ پہلے حملے میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پشاور کو فتح کر لیا۔

شاہ اسماعیلؒ کا جہاد:

اس کے بعد شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پشاور کے چوک میں کھڑے ہو کر شریعت کے نفاذ کا اعلان کیا، شراب کی بندش کا اعلان کیا۔ یہ یکم مئی اتوار کا دن تھا۔۔۔ عجیب بات یہ ہے کہ 1972ء میں حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ جو انہی کے روحانی فرزند تھے جب اللہ رب العزت نے ان کو وہاں کا چیف

منسٹر بنایا تو انہوں نے بھی پشاور کی اسی جگہ پر شراب کی بندش کا اعلان کیا۔ وہ بھی یکم مئی اور اتوار کا دن تھا۔۔۔ پشاور پر فتح حاصل کرنے کے بعد سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قافلہ آگے بڑھا۔ شنکیاری اور اکوڑہ خٹک کو فتح کرتے ہوئے بالاکوٹ کی طرف بڑھا۔

سید احمد شہیدؒ کا دوٹوک جواب:

پنجاب کے گورنر رنجیت سنگھ نے پیغام بھیجا کہ اٹک سے ادھر کا علاقہ تم سنبھالو اور ادھر کا علاقہ ہم سنبھالتے ہیں۔ سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے زمین کی ضرورت نہیں بلکہ مجھے لوگوں کے دین کی ضرورت ہے۔ میں تو دین کی حفاظت کے لئے یہ قدم اٹھا چکا ہوں۔ میں اپنے قدم بڑھاؤں گا یا تو مجھے فتح نصیب ہوگی یا پھر مجھے شہادت نصیب ہوگی۔

دو جرنیلوں کی شہادت:

چنانچہ انگریز کے ایما پر رنجیت سنگھ اپنی فوج لے کر وہاں مقابلے کے لئے آ گیا۔ بالاکوٹ کے قریب سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پڑاؤ ڈالا ہوا تھا۔ انگریز نے مقامی دیہاتیوں کو لالچ دے کر ان سے معلومات حاصل کیں اور تہجّد کی نماز پڑھتے ہوئے سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کو شہید کر دیا۔ 5 مئی کو سید احمد شہید رحمۃ اللہ کی شہادت ہوئی تو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے پھر انگریز سے جنگ کرنی شروع کر دی۔ چار دن یہ معرکہ ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ 9 مئی کو شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کی قبور آج بھی بالاکوٹ میں موجود ہیں۔

شاہ اسماعیلؒ کی کرامت:

تاریخ میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہوا ہے کہ جب شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ چاروں طرف سے گھیر لئے گئے تو ایک سکھ نے نبی علیہ السّلام کی شان میں گستاخی کے الفاظ کہے اور دوسرے نے ان کے اوپر تلوار

تان لی۔ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں عشق رسالت کی ایسی کیفیت تھی کہ آپ ان نازیبا الفاظ کو سن کر تڑپ اٹھے اور آپ نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک نہیں مروں گا جب تک کہ میں تیرا کام تمام نہیں کرلوں گا۔ یہ کہہ کر آپ نے اس کے اوپر خنجر لہرایا مگر دوسرے سکھ نے آپ پر تلوار کا وار کیا آپ کا سر آپ کے تن سے جدا ہو کر گر گیا۔ عجیب بات ہے کہ بدن چونکہ حرکت میں آچکا تھا اور ہاتھ میں خنجر تھا لہٰذا بدن بغیر سر کے اس کے پیچھے بھاگتا رہا۔ جب سکھ نے دیکھا کہ بغیر سر کے یہ بدن میری طرف بھاگ رہا ہے تو وہ ڈر کے مارے پیچھے گرا۔ آپ اس کے اوپر گرے اور آپ کا خنجر اس کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ اس طرح آپ کی قسم اللہ رب العزت نے پوری فرما دی۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں کہ اللہ رب العزت کے ہاں ان کا وہ مقام ہوتا ہے کہ جب وہ قسم کھا لیا کرتے ہیں تو اللہ رب العزت ان کی قسم کو پورا کر دیا کرتے ہیں۔ لو اقسم علی اللہ لابرہ۔

شاہ اسماعیلؒ کی کتب:

چنانچہ شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' اور ''منصب امامت'' آپ کے یقین کامل کی نشانیاں ہیں۔ آپ کا نعتیہ کلام ''سلک نور'' اب چھپ چکا ہے اور آپ کے دل میں جو عشق رسول ﷺ تھا اس کا اندازہ اس نعتیہ کلام کو پڑھ کر ہوتا ہے۔

انگریز کے خلاف علمائے دیوبند کا مشورہ:

جب انگریز اس میدان میں بھی غالب آ گیا تو بقیہ علما نے 1856ء میں آپس میں مشورہ کیا کہ انگریز کے خلاف ہمیں کوئی اور قدم اٹھانا چاہیے۔ چنانچہ اس میں مولانا جعفر تھانیسری، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا قاسم نانوتوی وغیرھم حضرات موجود

تھے۔مشورے میں یہ بات آئی کہ ہماری افرادی قوت بہت کم ہے، ہم انگریز کے خلاف کیسے لڑ سکتے ہیں۔اس موقع پر حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ نے کھڑے ہو کر کہا کہ کیا ہماری تعداد غازیان بدر سے بھی تھوڑی ہے؟ آپ کے ان الفاظ سے دوسرے علما کے اندر بھی شہادت کا جذبہ جاگ اٹھا چونکہ یہ 313 کی تعداد سے تو زیادہ تھے۔چنانچہ فیصلہ ہوا کہ جو مرضی ہو ہمیں انگریز کے خلاف جہاد کرنا ہے۔

جنگ آزادی:

سال بھر اس مشورہ پر عمل درآمد کی تیاری ہوتی رہی۔ چنانچہ 1857ء میں جنگ آزادی لڑی گئی۔اس کے دو محاذ بنائے گئے ایک محاذ انبالہ میں جس کے قائد مولانا جعفر تھانیسری تھے اور دوسرا محاذ شاملی میں جس کے سپہ سالار حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تھے۔مقابلہ ہوا حافظ ضامن رحمۃ اللہ کو شہادت بھی ملی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ کو زخم بھی آئے چونکہ انگریز تعداد میں بہت زیادہ تھا۔اس لئے انگریز کا پلہ بھاری رہا اور علما کو پھر بھی فتح نصیب نہ ہوسکی

شکست و فتح نصیبوں سے ہے ولے اے میر مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا

تین بڑی رکاوٹیں:

جب یہ مختلف واقعات پیش آئے تو وائسرائے سے برطانیہ کے حکمران نے یہ پوچھا کہ آخر کیا بات ہے کہ کچھ دنوں کے بعد کوئی نہ کوئی تحریک شروع ہو جاتی ہے۔مجھے اس کی وجوہات بتاؤ تا کہ اس کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے برطانیہ سے اپنے مبصّرین اور تجزیہ نگار بلائے جنہوں نے آ کر حالات کا جائزہ لیا اور کہا کہ اس وقت تک تحریکیں اٹھتی رہیں گی جب تک ان تین چیزوں کو ختم نہ کر دیا جائے۔

☆ سب سے پہلے قرآن مجید کو ختم کرنا چاہئے۔

☆ علمائے کرام کو ختم کرنا چاہئے۔

☆ جذبہ جہاد کو ختم کرنا چاہئے۔

یہ تین باتیں لب لباب تھیں۔

علمائے کرام کا قتل عام:

چنانچہ انگریز نے اس پر عمل درآمد شروع کر دیا تین سال کے اندر قرآن پاک کے تین لاکھ نسخے نذر آتش کر دیئے اور 14000 علمائے کرام کو پھانسی دی گئی۔

تھامسن اپنی تاریخ میں لکھتا ہے کہ دہلی سے لے کر پشاور تک جرنیلی سڑک کے دونوں طرف کوئی بڑا درخت ایسا نہیں تھا جس پر کسی عالم کی لاش لٹکتی نظر نہ آرہی ہو۔ بادشاہی مسجد میں پھانسی کا پھندہ لٹکایا گیا اور دیگر مسجدوں کے اندر علمائے کرام کو پھانسی دی گئی۔

تھامسن اپنی یادداشت میں لکھتا ہے کہ میں دہلی گیا تو کیمپ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ مجھے وہاں انسانی گوشت کے جلنے کی بدبو محسوس ہوئی۔ میں پریشان ہو کر اٹھا کہ یہ کیا معاملہ ہے جب کیمپ کے پیچھے جا کر دیکھا تو کچھ انگریزوں نے انگارے جلائے ہوئے تھے اور چالیس علما کو بے لباس کر کے ان انگاروں کے پاس کھڑا کیا ہوا تھا اور انہیں یہ کہا جارہا تھا کہ تم ہمیشہ کے لئے ہمارا ساتھ دینے کا وعدہ کرو نہیں تو تمہیں انگاروں پر لٹادیں گے۔ انہوں نے انکار کیا تو چالیس علما کو انگاروں پر لٹا دیا گیا۔ یہ ان کے گوشت جلنے کی بدبو تھی جو خیموں میں بھی محسوس ہورہی تھی۔ وہ کہتا ہے کہ اسی طرح چالیس علما شہید ہو گئے۔ تو پھر چالیس اور علما کو بھی اسی طرح اوپر لٹایا گیا۔

مولانا احمد اللہ گجراتی کا جواب:

مولانا احمد اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم تھے۔ ایک انگریز نے ان سے کچھ عربی سیکھی تھی وہ انگریز

اس وقت ان لوگوں میں سے تھا جو مسلمان علما کو پھانسی دے رہے تھے۔اس نے مولانا احمد اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ میرے استاد ہیں آپ صرف زبان سے کہہ دیں کہ میں اس تحریک آزادی میں شریک نہ تھا۔میں آپ کا نام پھانسی دینے والوں میں سے نکال دوں گا۔احمد اللہ گجراتی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ میں یہ بات کر کے اللہ رب العزت کے دفتر سے نام نکلوانا نہیں چاہتا۔سبحان اللہ،۔تو ان حضرات نے اپنی جان کے نذرانے تو پیش کر دیئے مگر انگریز کا ساتھ دینے پر تیار نہ ہوئے۔

ظلم کی انتہا:

مولانا تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''تاریخ کالا پانی'' میں لکھتے ہیں کہ ہم کئی علما تھے جن کو گرفتار کر کے امرتسر جیل میں رکھا گیا پھر فیصلہ کیا گیا کہ ان کو لاہور بھیج دیا جائے۔جب لاہور بھیج دیا گیا تو یہاں کے حکمرانوں نے فیصلہ کیا کہ ان کو سزا دی جائے تا کہ ان کی وجہ سے دوسروں کو بھی عبرت حاصل ہو۔ وہاں کا انگریز حکمران اتنا ظالم تھا کہ اس نے لوہے کے پنجرے بنوائے جن کے چاروں طرف اس نے لوہے کی کیلیں لگوائیں اور اس کے اندر جگہ اتنی تھوڑی تھی کہ اس میں ایک آدمی فقط بیٹھ سکتا تھا۔جب آدمی اندر بیٹھتا تو اس کی چاروں طرف کیلیں ہوتیں۔علمائے کرام کو ان پنجروں کے اندر بند کر کے ریل کے ڈبے میں ان پنجروں کو رکھ دیا گیا۔اس طرح ان کو لاہور سے ملتان پہنچایا گیا۔فرماتے ہیں کہ ریل کے ڈبے کو جھٹکے لگتے تو ہم کبھی ادھر گرتے کبھی ادھر گرتے تو ہمارے کبھی اس طرف کیلیں چبھتیں اور کبھی اس طرف۔جسم کے چاروں طرف کیلوں کی وجہ سے زخم بن گئے جن میں سے خون جاری رہتا۔

تین مہینے کے اندر ہمیں لاہور سے ملتان پہنچایا گیا۔کئی کئی ہفتے یہ بوگیاں کھڑی رہتیں اور ہماری پرواہی نہ کی جاتی ہم گرمی میں پسینے کی وجہ سے پریشان ہوتے۔کبھی گرمی میں پیاس کی شدت کی وجہ سے تڑپتے اور کبھی اپنے زخموں کی وجہ سے پریشان ہوتے۔لگانے کے لئے مرہم بھی کوئی نہیں ہوتی تھی اور ہمیں اتنی

تکلیف میں رکھا گیا کہ ہم اس کی حقیقت الفاظ میں بیان ہی نہیں کر سکتے۔

تین مہینے ان کیلوں والے پنجروں میں رہ کر آخر ہم ملتان پہنچے وہاں ہمیں انگریز نے نکالا اور بتا دیا کہ ہمارے لئے پھانسی کا حکم ہو چکا ہے۔ جب ہم نے پھانسی کا حکم سنا تو ہمارے چہروں کے اوپر تازگی آ گئی کہ الحمدللہ اب منزل قریب ہے۔

اگلے دن جب انگریز آیا تو اس نے دیکھا کہ علمائے کرام کے چہروں پر بڑی تازگی، بڑی رونق اور بڑا اطمینان ہے۔ اس نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے آج تمہارے چہرے بڑے پرسکون نظر آ رہے ہیں۔ ایک عالم نے کہا، اس لئے کہ ہماری شہادت کا وقت قریب ہے۔ جب انگریز نے یہ سنا تو وہ سوچنے لگ گیا۔ چنانچہ اس نے فوراً اپنے افسر سے رابطہ کیا کہ ان کو پھانسی دیں گے تو اس پر یہ خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور ہم ان علما کو خوش نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ فیصلہ کیا گیا کہ ان کو ساری عمر کے لئے کالا پانی کے اندر نظر بند کیا جائے۔ چنانچہ اعلان ہوا کہ پھانسی کا فیصلہ واپس لیا جاتا ہے۔ اس موقع پر مولانا جعفر تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب شعر لکھا

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا　کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

کہ اگر شہادت نصیب ہو جاتی تو رہائی ہو جاتی۔ سبحان اللہ، شہادت کی خاطر کتنا تڑپنے والے لوگ تھے۔

جذبہء جہاد ختم کرنے کی ناکام کوشش:

چنانچہ انگریز نے علما کو پھانسی دینے کے بعد تیسرا کام یہ کیا کہ اس ملک کے اندر کچھ ایسے فرقے دین کے نام پر پیدا کئے جنہوں نے فتویٰ دیا کہ انگریز کے خلاف جہاد کرنا حرام ہے۔ اس تاریخ کے پس منظر میں یہ سب باتیں سمجھنی آسان ہو جائیں گی کہ انگریز کا ساتھ دینے والے کون تھے؟ یعنی میر جعفر اور میر صادق کون تھے جنہیں مربعے الاٹ ہو گئے۔ آپ کو بڑے بڑے زمیندار ملیں گے جن کی تاریخ

انگریزوں تک ملے گی اور جو حضرات قربانیاں دینے والے ملیں گے ان کی تاریخ ہمارے اسلاف کے ساتھ جا کر ملے گی چنانچہ انگریز نے ان تینوں باتوں پر عمل درآمد کیا۔ قرآن مجید کے نسخے ضائع کیے، علمائے کرام کو شہید کیا اور اس امت سے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کے لئے جہاد کی حرمت پر فتوے جاری کروائے۔

دس ہزار مدارس بند:

مختلف مدارس اس وقت وقف کی جائیداد سے چلا کرتے تھے۔ چنانچہ انگریز نے وقف کی تمام املاک کو اپنے قبضے میں لے لیا اور یوں گویا مدارس کی شہ رگ کو کاٹ دیا گیا۔ چنانچہ فقط دہلی شہر میں ایک ہزار مدارس بند ہو گئے۔ بڑے بڑے مدارس کی تعداد دس ہزار تھی جن کو بند کر دیا گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ رحیمیہ پر بلڈوزر پھیر دیا گیا۔ اور بالکل برابر کر دیا گیا۔ انگریز اپنی طرف سے پورا بندوبست کر چکا تھا۔ اس میں اس کو کئی سال لگے۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام:

1861ء میں پھر اللہ کے ایک مقبول بندے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں یہ خیال آیا کہ مسلمانوں سے ان کی دنیا تو چھین لی گئی، یہ کوئی اتنا بڑا نقصان نہیں ہے لیکن مسلمانوں سے تو اب ان کا دین چھینا جا رہا ہے۔ یہ بہت بڑا نقصان ہے لہٰذا اس کی تلافی کی کوئی صورت ہونی چاہئے۔ ان کے سسرال دیوبند میں تھے اور یہ چھوٹی سے بستی تھی۔ چنانچہ 1867ء میں انہوں نے اس چھوٹی سے بستی میں ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ چھوٹی بستی کو اس لئے منتخب کیا کہ بڑے شہر کی سرگرمیاں حکومت وقت کی نظر میں فوراً آ جاتی ہیں، چھوٹی بستی سے کام شروع کریں گے تو کسی کی نظر میں ہی نہیں آئیں گے۔ واقعی ان کی بات سچی نکلی۔ 1867ء میں جب انہوں نے یہ کام شروع کیا تو 30 مئی کا دن تھا اور

پندرہ محرم الحرام کی تاریخ بنتی تھی جب دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ انار کے ایک درخت کے نیچے ایک استاد اور ایک شاگرد، پڑھانے والے کا نام ملا محمود رحمۃ اللہ علیہ اور پڑھنے والے کا نام محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ پہلا قدم جو اٹھایا گیا ہے بالآخر اس نے کتنا بڑا علمی مرکز بننا ہے۔ ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کے دلوں کو علمی معارف سے سیراب کرنا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا جب سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعلان فرمایا کہ میں آج دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد ایک ایسی ہستی سے رکھواؤں گا جس نے اپنی زندگی میں کبیرہ گناہ تو کیا کرنا، دل میں کبھی کبیرہ گناہ کرنے کا مصمّم ارادہ بھی نہیں کیا۔

شاہ حسین احمدؒ کا تقویٰ:

مولانا اصغر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں شاہ حسین احمد رحمۃ اللہ علیہ منے شاہ کے نام کے مشہور تھے۔ ان کا قد دیکھنے میں اتنا بڑا نہیں تھا مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا تھا۔ وہ گھاس کاٹتے اور بیچ کر اپنی زندگی گزارتے تھے۔ وہ تھوڑے تھوڑے پیسے روزانہ بچاتے رہتے۔ پورے سال میں ان کے پاس اتنے پیسے جمع ہو جاتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کے تمام اساتذہ کی ایک مرتبہ وہ اپنے گھر میں دعوت کرتے تھے۔ اساتذہ لکھتے ہیں کہ ہم سارا سال ان کی دعوت کے منتظر رہتے کیونکہ جس دن ہم ان کے گھر کا کھانا کھاتے تھے چالیس دن تک ہمیں اپنی نمازوں کی حضوری میں اضافہ محسوس ہوتا تھا۔ ایسے پرہیزگار انسان نے دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد رکھا۔

عابد کے یقین سے روشن ہے سادات کا سچا صاف عمل
آنکھوں نے کہاں دیکھا ہوگا اخلاص کا ایسا تاج محل

یہ اخلاص کا ایسا تاج محل بنا دیا کہ دنیا میں کوئی اس کی مثال نہیں ملتی۔

یہ وہ پاکیزہ ہستیاں ہیں جن کے ہاتھوں سے رکھی ہوئی اینٹ میں اتنی برکت پیدا ہوئی کہ اس دارالعلوم کو اللہ تعالیٰ نے ایسی یونیورسٹی بنایا کہ آج مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب غرض ہر طرف دارالعلوم دیوبند کا فیض نظر آتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا فیض:

اللہ رب العزت نے اس عاجز کو دین کی نسبت سے دنیا کے چالیس سے زیادہ ملکوں میں سفر کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ اس جگہ بھی گئے جہاں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات ہوتی ہے، سائبیریا میں بھی گئے جہاں ہر طرف یخ بستہ ہوائیں اور برف ہی برف نظر آئی، ہم نے برف پر نمازیں پڑھیں، ایسی جگہ بھی دیکھی جس کو End of the world (دنیا کا آخری کنارہ) کہتے ہیں۔ حکومت نے یہ بات وہاں لکھی ہوئی ہے۔ کیونکہ جون کے مہینے میں ایک ایسا دن آتا ہے جب وہاں پر تقریباً ایک لاکھ سیاح اکٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں پر ایک دلچسپ منظر یہ ہوتا ہے کہ سورج غروب ہونے کے لئے سمندر کے پانی کے قریب آتا ہے اور غروب ہونے کی بجائے دوبارہ طلوع ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اس لئے دنیا کے سائنسدان اس جگہ کو دنیا کا آخری کنارہ کہتے ہیں۔ افریقہ کے جنگل بھی دیکھے اور امریکہ کی دنیا بھی دیکھی، لیکن ایک بات عرض کردوں کہ یہ عاجز جہاں بھی گیا، آبادی تھی یا جنگل تھا، پہاڑوں کی چوٹیاں تھیں یا زمین کی پستیاں تھیں، وہاں پر دارالعلوم دیوبند کا کوئی نہ کوئی روحانی فرزند بیٹھا دین کا کام کرتا نظر آیا۔ دارالعلوم دیوبند کو اتنی قبولیت حاصل ہو چکی ہے۔

جبالِ علم:

الحمدللہ یہ قبولیت عنداللہ ہے۔ کہ دنیا کے کونے کونے میں اس مادر علمی کے روحانی فرزند بیٹھے ہوئے دین کا کام کر رہے ہیں اور لوگوں کے سینوں کو نور سے بھر رہے ہیں۔ بہرحال علما دیوبند نے علمی کام جو شروع

کیا تو یہاں سے نکلنے والے طلبا جبال علم بن گئے۔ایک ایک طالبعلم ایسا تھا کہ جو اپنے وقت کا آفتاب اور ماہتاب ثابت ہوا۔ یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا حتی کہ حضرت شیخ الہند محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسلاف کے اس علمی وعملی تسلسل کو جاری رکھا۔انگریز کے خلاف جہاد کی سرگرمیاں جاری رکھیں۔

دارالعلوم دیوبند بمقابلہ علی گڑھ کالج:

مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ کے دو شاگرد تھے۔ایک کا نام تھا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ۔انہوں نے دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی اور ایک کا نام تھا احمد خان جو سر سید احمد خان کے نام سے مشہور ہوا۔ بعد میں اس نے ایک کالج کی بنیاد رکھی۔علی گڑھ میں اسی نے انگریزی زبان سکھانے کو زیادہ ترجیح دی جب کہ دارالعلوم دیوبند میں خالصتاً دینی علوم کو پڑھانے پر زیادہ توجہ دی گئی۔تو یہ دونوں بڑی درسگاہیں اس وقت کی تھیں۔علی گڑھ نے کلرک پیدا کئے لیکن دیوبند نے محدثین ومفسّرین پیدا کئے اور منبر ومحراب کو سلامت رکھا۔

شیخ الہندؒ کی علی گڑھ آمد:

1920ء میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ علی گڑھ تشریف لے گئے تو آپ نے وہاں جا کر اپنے اسلاف کی اس تاریخ کو بیان کیا۔اس کو سن کر علی گڑھ کے طلبا میں دین کا درد پیدا ہوا اور اس کے بعد پھر وہاں سے مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ، مولانا شوکت علی اور شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیتیں پیدا ہوئیں۔ یہ اصل میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا وہ جذبہ جہاد تھا جس نے طلبا کے دلوں کو سوز عشق سے بھر دیا تھا۔ جب آپ نے تقریر کر لی تو چند طالبعلموں نے ایک سوال پوچھا کہ آپ انگریز کے ساتھ صلح کیوں نہیں کر لیتے؟ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر ایک عجیب شعر پڑھا

ہائے یہ صرف تمنا کی زبان سے دوریاں اس قدر یہ سختیاں دشواریاں مجبوریاں

یاد ایام جفا آخر بھلائیں کس طرح　　دل فرنگی سے لگائیں تو لگائیں کس طرح

اس کے بعد ان طلبا کو پتہ چلا کہ ہمارے راستے جدا ہیں ہمارا ایک دوسرے کے ساتھ اکٹھا ہونا مشکل ہے۔انکا دین اور ہے اور ہمارا دین اور ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا علمی فیض:

دارالعلوم دیوبند میں حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جلیل القدر شخصیت کا علمی فیض بہت زیادہ تھا۔شاہ جہان پور میں ایک مباحثہ ہوا کرتا تھا جس میں ہندو اور عیسائی سب مذاہب کے لوگ آتے تھے۔حضرت نے وہاں جا کر اسلام کے عنوان پر بیان کیا۔حتیٰ کے غیر مسلموں کو لاجواب کر دیا۔ آج کل مباحثہ شاہ جہاں پور کے نام سے بازاروں میں چھوٹا سا پمفلٹ ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ان کو فلسفہ اور منطق کا وہ علم دیا تھا کہ کوئی ان کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا تھا۔

شورش کشمیریؒ کا اظہار عقیدت:

شورش نے حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا

شافع کون و مکان کی راہ دکھلاتا رہا　　گمراہان شرک کو توحید سکھلاتا رہا
اس صدی میں عصر حاضر کا فقیہہ بے مثال　　سنت خیرالورا کے زمزمے گاتا رہا
پرچم اسلام ابر درخشاں کے روپ میں　　بتکدوں کی چاردیواری پہ لہراتا رہا

مولانا محمد قاسم نانوتوی اور عشق رسول ﷺ:

دل میں عشق رسول ﷺ اس قدر تھا کہ ان کا نعتیہ کلام پڑھتے ہیں تو حیران ہو جاتے ہیں۔چنانچہ نبی علیہ السّلام کی شان میں عجیب اشعار لکھتے ہیں

سب سے پہلے مشیّت کے انوار سے　　نقش روئے محمد بنایا گیا

پھر اسی نور سے مانگ کر روشنی بزم کون و مکاں کو سجایا گیا
وہ محمد بھی احمد بھی محمود بھی حسن فطرت کا شاہد بھی مشہود بھی
علم و حکمت میں وہ غیر محدود بھی ظاہراً امیوں میں اٹھایا گیا

نبی علیہ السّلام کی شان میں عجیب اشعار کہا کرتے تھے۔حج پر حاضر ہوئے تو انہوں نے اپنے جوتے اتار دیئے۔نازک بدن تھے کسی نے کہا، حضرت! آپ کے پاؤں زخمی ہو جائیں گے۔فرمایا، ہاں میں نے جوتے اس لئے اتار دیئے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ جس جگہ پر میرے آقا ﷺ کے مبارک قدم لگے ہوں قاسم نانوتوی کا جوتوں والا پاؤں عین اسی جگہ پر پڑ جائے۔چنانچہ فرماتے ہیں:

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ کہ ہو سگان مدینہ میں نام میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مرغ و مار

سبحان اللہ، عشق رسول ﷺ سے ان کا دل بھرا ہوا تھا۔

ایک مرتبہ روضہ انور پر تشریف لے گئے تو وہاں جا کر عجیب شعر کہے

دمکتا رہے تیرے روضے کا منظر چمکتی رہے تیرے روضے کی جالی
ہمیں بھی عطا ہو وہ جذب ابوذرؓ ہمیں بھی عطا ہو وہ روح بلالیؓ

ایک مرتبہ آپ کو حجرہ مبارک کے اندر جانے کا موقع ملا جب حجرہ مبارک کے اندر گئے تو واپسی پر آپ کے اوپر ایک عجیب کیفیت تھی۔لوگوں نے دیکھا کہ بڑا پُر انوار چہرہ اور عجیب کیفیت ہے تو کسی شاگرد نے پوچھا کہ حضرت! اندر کیفیت کیا تھی؟ تو حضرت نے اشعار میں جواب دے دیا۔فرمایا

میرے آقا کا مجھ پر تو اتنا کرم تھا بھر دیا میرا دامن پھیلانے سے پہلے
یہ اتنے کرم کا عجب سلسلہ تھا نشہ رنگ لایا پلانے سے پہلے

جب مدینہ طیبہ سے واپس ہونے لگے اور آخری وقت آپ نے روضہ انور پر نظر ڈالی تو اس وقت آپ نے یہ شعر پڑھا

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ میں فدا ہوتا جو بس چلتا تو مر کر بھی نہ میں تجھ سے جدا ہوتا

اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ کی محبّت ان کے دل میں سمائی ہوئی تھی۔

اتباع سنت:

نبی علیہ السّلام کی اس محبّت کی وجہ سے ایک ایک سنت پر ان کا عمل تھا۔ایک مرتبہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی موت کے وارنٹ جاری کر دیئے گئے۔جب پتہ چلا تو آپ روپوش ہوگئے۔روپوش ہونے کے پورے 3 دن بعد آپ باہر نکل آئے۔کسی نے کہا کہ حضرت! انگریز آپ کو ڈھونڈ رہا ہے اور آپ کی موت کے وارنٹ جاری ہیں۔آپ نے فرمایا، میں نے اپنے آقا کی زندگی پر غور کیا مجھے غار ثور میں روپوشی کے تین دن نظر آتے ہیں۔لہٰذا میں بھی تین دن غائب رہا۔اس کے بعد باہر نکل آیا ہوں۔انگریز اگر پکڑ لیں گے تو میں اپنی جان کا نذرانہ اللہ کے سپرد کر جاؤں گا۔سنت کا اتنا لحاظ اور خیال رکھا کرتے تھے۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور عشق رسول ﷺ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اس دارالعلوم دیوبند کے دوسرے سپوت تھے۔اپنے وقت کے بے مثال فقیہہ تھے۔فتاویٰ رشیدیہ اکثر علما کی نظروں سے گزرتا رہتا ہے۔اللہ رب العزت نے ان کو قطب الارشاد بنا دیا۔چالیس سال تک حدیث پاک کا درس دیا اور اتنی محبّت کے ساتھ درس دیا کہ ایک مرتبہ طلبا کو درس حدیث پڑھا رہے تھے کہ اچانک بارش شروع ہوگئی۔طلبا نے فوراً اپنی کتابیں بغل میں دبائیں اور اپنے کمروں کی طرف بھاگے۔ان کے جوتے وہیں رہ گئے۔حضرت نے اپنے رومال کو

وہیں بچھایا اوران طلبا کے جوتے اس رومال کے اندر رکھے، گٹھڑی بنائی اوراپنے سر پر اٹھا کر کمرے میں لے آئے۔ جب طلبا نے دیکھا تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ کہنے لگے، حضرت! آپ ہمارے جوتے اٹھا کر لے آئے۔ ہم خود اٹھا لیتے۔ آپ نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ جولوگ قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہیں میں ان کے جوتے نہیں اٹھاؤں گا تو پھر اور کیا کروں گا۔ اندازہ لگائیے کہ ان حضرات کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیسی محبّت تھی۔

کسی نے مسجد نبوی کی تھوڑی سی مٹی لا کر دی اور کہا کہ حجرے کی صفائی کرتے ہوئے میں یہ مٹی لے کر آیا ہوں تو آپ نے اس کو اپنی سرمہ کی شیشی میں ڈال دیا۔ فرمایا، اچھا اگر یہ روضہ انور کی مٹی ہے تو ہم اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لیں گے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک مرتبہ مدینہ طیبہ کی چند کھجوریں ملیں۔ آپ نے شاگرد سے کہا کہ میرے جتنے دوست ہیں ان کی فہرست بناؤ۔ اوران کھجوروں کے اتنے حصے کرو تا کہ سب کو ہدیہ بھیجیں۔ اس نے کہا حضرت! یہ کھجور کا ٹکڑا تو بہت ہی چھوٹا ہے۔ فرمایا، اگر شریعت میں اجازت ہوتی تو میں تجھ سے بولنا چھوڑ دیتا۔ اس لئے کہ مدینہ کی کھجور کے ٹکڑے کو تو نے چھوٹا کہہ دیا۔ یہ چھوٹے کا لفظ ہی استعمال کیوں کیا۔ اتنی محبّت تھی۔ چنانچہ جب کھجور کھا لیتے تو گٹھلی کو پیس کر اس کا برادہ منہ میں لے کر اوپر سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ تا کہ وہ بھی جزوبدن بن جائے۔

حضرت شیخ الہندؒ اور خوفِ خدا:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ وہ دارالعلوم دیوبند کیتیسرے سپوت تھے جنھوں نے انگریز کے خلاف آزادی حاصل کرنے کے لئے بہت نمایاں کام کیا۔ ان کے بارے میں شورش کشمیری لکھتے ہیں

گردش دوراں کی سنگینی سے ٹکراتا رہا مالٹا میں نغمہ مہر و وفا گاتا رہا

مالٹا میں آپ کو قید کر دیا گیا۔ پابند سلاسل رہے۔ان کے کچھ اور شاگرد حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت مولانا عزیز گل وغیرہ بھی ساتھ تھے۔انگریز نے ان پر بہت سختیاں کیں۔مگر یہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔

ایک عجیب واقعہ کتابوں میں پڑھا ہے کہ جب انگریز نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ان کو پھانسی دے دی جائے تو یہ اطلاع ملنے کے بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پر بہت گریہ طاری رہتا تھا۔آپ نے بہت زیادہ رونا شروع کر دیا۔آپ کے شاگرد حیران ہوتے کہ ہمیں پھانسی کا حکم ہو گیا ہے تو یہ خوشی کی بات ہے لیکن جب اپنے شیخ کو دیکھتے تو وہ خوب کثرت کے ساتھ روتے اور گریہ وبکا صبح وشام کرتے نظر آتے ہیں۔ دل اتنا نرم ہو چکا تھا کہ ذرا ذرا سی بات پر رونے لگ جاتے حتیٰ کہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ اور حضرت مولانا عزیز گل رحمۃ اللہ علیہ نے دل میں سوچا کہ ہم کسی وقت حضرت کی خدمت میں عرض کریں گے کہ حضرت اتنا رونے کی کیا وجہ ہے۔اگر پھانسی کا حکم آچکا ہے تو یہ خوشی کی بات ہے۔اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔

چنانچہ ایک موقع پر کھانے سے پہلے انہوں نے عرض کیا کہ حضرت! آپ آج کل بہت زیادہ روتے ہیں، آپ کے اوپر بہت زیادہ گریہ طاری ہوتا ہے آخر کیا وجہ ہے۔ پھانسی کا حکم صادر ہو چکا ہے تو یہ تو خوشی کی بات ہے۔اللہ تعالیٰ ہماری جان کو اپنے راستے میں قبول کر لیں گے۔یہ تو کوئی ایسی رونے والی بات نہیں ہے۔جب انہوں نے یہ بات کہی تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت ان کو ذرا رعب بھری نظروں سے دیکھا۔کہتے ہیں کہ ہمارے تو اس وقت پسینے چھوٹ گئے کہ حضرت اتنے جلال سے ہمیں دیکھ رہے ہیں۔اور پھر اس کے بعد فرمایا کہ تم کیا سمجھتے ہو میں موت کے خوف سے یا پھانسی کے خوف سے نہیں روتا بلکہ میرے ذہن میں کوئی اور بات ہے۔انہوں نے عرض کیا، حضرت! پھر کچھ ہمیں

بھی بتا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا، میرے دل میں یہ بات آ گئی کہ اللہ رب العزت بے نیاز ہیں، میں اس کی شان بے نیازی کی وجہ سے روتا ہوں۔ اس لئے کہ کبھی کبھی وہ بندے سے جان بھی لے لیا کرتا ہے اور اس کی جان کو قبول بھی نہیں کیا کرتا۔ میں تو اس لئے روتا ہوں کہ اے اللہ! اگر تو نے جان لینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو میرے مولا! اس کو قبول بھی فرما لینا۔

تشدد کی انتہا:

حکیم اجمل خان آپ کے مریدین میں سے تھا۔ آپ بیمار تھے اور اس کے ہاں علاج معالجہ کے لئے آئے ہوئے تھے۔ وہیں 1920ء میں آپ کی وفات ہوئی اور وہیں سے جنازہ اٹھایا گیا۔ جب ان کو غسل دیا جانے لگا تو غسل دینے والے نے دیکھا کہ آپ کی پشت کے اوپر گہرے زخم کے نشان موجود ہیں۔ ایسی پشت کبھی دیکھی نہیں تھی۔ لوگ پریشان تھے کہ آخر یہ بات کیا تھی۔ کہ آپ کی پشت پر اتنے گہرے گہرے نشان ہیں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت کلکتہ میں تھے۔ وہ بھی وفات کی خبر سن کر وہاں پہنچے۔ جب ان سے پوچھا گیا تو حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت راز فاش کیا۔ اور کہا کہ اصل میں مالٹا میں ان کو آگ کے انگاروں پر لٹایا جاتا اور انگریز کہتا کہ تم ہمارے ساتھ وفاداری کا عہد کرو اور ہمارے حق میں فتویٰ دو۔ ورنہ ہم تمہیں آگ کے انگاروں پر لٹائے رکھیں گے۔ حضرت کے خون سے آگ کے انگارے بجھتے، اتنی تکلیف اٹھاتے مگر انگریز سے کہتے رہتے، انگریز! میں کبھی تیرے حق میں فتویٰ نہیں دے سکتا۔ ارے، میں بلال رضی اللہ عنہ کا وارث ہوں، جن کو ریت کے اوپر لٹایا جاتا تھا اور سینے پر چٹانیں رکھ دی جاتی تھیں۔ میں تو خبیب رضی اللہ عنہ کا وارث ہوں جن کی کمر کے اوپر زخموں کے نشانات تھے۔ میں تو امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کے چہرے پر سیاہی مل کے ان کو مدینہ بھر میں پھرایا گیا

تھا۔ میں تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کا جنازہ جیل سے نکلا تھا۔ میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا وارث ہوں جن کو ستر کوڑے لگائے گئے تھے۔ میں علمی وارث ہوں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا، میں روحانی فرزند ہوں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ کا، بھلا میں تمہاری اس بات کو کیسے قبول کر سکتا ہوں۔ چنانچہ سب تکالیفوں کو برداشت کر لیتے تھے۔ مگر زبان سے انگریز کے حق میں کوئی بات نہیں کہتے تھے۔ یہ ان کی قربانیاں تھیں بالآخر انگریز کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ انگریز نے پہلے فیصلہ کیا تھا کہ ان کو پھانسی پر لٹکا دیا جائے بالآخر اس نے فیصلہ کیا کہ پھانسی نہیں دیتے چلو چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ انگریز کو فیصلہ بدلنا پڑا۔ اللہ رب العزت نے ان کی عزم و استقامت کی وجہ سے ان کو کامیابی عطا فرما دی۔ کتنی عجیب بات کہی

حالات کے قدموں میں قلندر نہیں گرتا ٹوٹے جو ستارہ تو زمین پہ نہیں گرتا
گرتے ہیں سمندر میں بڑے شوق سے دریا لیکن کسی دریا میں سمندر نہیں گرتا

آپ تو سمندر تھے بھلا دریا میں کیسے گر سکتے تھے۔ آپ کے اس عزم و استقامت کو سلام کرنا چاہیے۔ اس وجہ سے اللہ رب العزت نے آپ کو یہ عظمت عطا فرمائی کہ الحمدللہ آپ کا علمی فیض خوب پھیلا۔

مولانا اشرف علی تھانویؒ کا علمی مقام:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مادر علمی کے فرزند ارجمند تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو علم کا وہ مقام عطا فرمایا تھا کہ ایک ہی وقت میں مفسّر بھی تھے، فقیہہ بھی تھے اور صوفی بھی تھے۔ اللہ رب العزت نے دین کے ہر شعبے میں ان کو بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ زمانہ طالبعلمی سے آپ کے اندر علمی جواہر نظر آ رہے تھے۔ چنانچہ فارغ التحصیل ہوئے تو دارالعلوم کی انتظامیہ نے فیصلہ کیا کہ ان طلبا کی دستار بندی کی جائے۔ آپ اپنے چند اور طلبا ساتھیوں کو ساتھ لے کر حضرت شیخ الہند کے پاس گئے اور

کہنے لگے کہ حضرت ہم ایک فریاد لے کر آئے ہیں۔ آپ اسے پورا کر دیجئے۔ پوچھا، کونسی بات ہے؟ عرض کرنے لگے کہ حضرت! ہم نے کتابیں تو مکمّل کر لیں، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ مدرسہ کی انتظامیہ ہماری دستار بندی کروانا چاہتی ہے۔ ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ ہم اس قابل نہیں، اگر ہماری دستار بندی کروا دی گئی تو دارالعلوم کی بدنامی ہو جائے گی کہ ایسے نالائق طلبا کی دستار بندی کروا دی ہے۔ آپ مہربانی فرمائیے اور دستار بندی نہ کروائیے۔ جب انہوں نے یہ بات کہی تو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو جلال آ گیا، فرمایا، اشرف علی! تم اپنے اساتذہ کے سامنے رہتے ہو اس لئے تمہیں اپنا آپ نظر نہیں آتا، جب ہم نہیں ہوں گے تو پھر تم ہی تم ہو گے۔ اور واقعی وہی ہوا کہ جب یہ اساتذہ فوت ہو گئے تو پھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا ڈنکا بجا کرتا تھا۔ سبحان اللہ، تھانہ بھون کی خانقاہ اصلاح کے لئے اپنی مثال آپ تھی۔

کتابوں کی تعداد:

ایک صاحب نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کے اوپر پی ایچ ڈی کی۔ اس نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی 2800 کتابوں کی فہرست بنائی۔ جنہیں آپ نے اپنی زندگی میں خود لکھا یا ہدایات دے کر اپنے شاگردوں سے لکھوائیں۔

حضرت کشمیریؒ کا بے مثال حافظہ:

حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ان کو وہ قوت حافظہ عطا کی تھی کہ اس کی مثال اس قریب کے دور میں کہیں نہیں ملتی۔ مرزائیوں نے بہاولپور میں جب انگریز کی عدالت کے اندر مقدمہ لڑا اس وقت انہوں نے ایک تحریر پیش کی جس تحریر سے ان کے حق میں کوئی بات ثابت ہوتی تھی۔ اس تحریر کو پڑھ کر یہی محسوس ہوتا تھا کہ ان کی بات سچی

ہے۔انگریز جج نے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ تو جو بات کر رہے ہیں اس کی دلیل بھی دے رہے ہیں۔تو حضرت نے فرمایا، کہ ذرا یہ کتاب مجھے دکھا دیں۔ آپ نے کتاب دیکھی اور فرمایا کہ یہ لوگ دھوکہ دینا چاہتے ہیں، میں دھوکے میں آنے والا نہیں۔ میں نے آج سے 27 سال پہلے یہ کتاب دیکھی تھی۔ اور مجھے عبارت آج بھی یاد ہے۔انہوں نے درمیان سے ایک سطر کو حذف کر دیا ہے لہٰذا دوسرا نسخہ منگوایا جائے۔ چنانچہ دوسرا نسخہ منگوایا تو اس میں وہ سطر واقعی موجود تھی۔ جس سے مطلب مسلمانوں کے حق میں آتا تھا۔اوران مرزائیوں کی دھوکہ دہی بے نقاب ہوگئی۔لوگ حیران ہوئے کہ 27 سال پہلے دیکھی ہوئی کتاب کا متن اس وقت بھی زبان یاد تھا۔اللہ رب العزت نے بے مثال قوت حافظہ ان کوعطا فرمائی تھی۔

ہندوؤں کا قبول اسلام:

چند ہندو آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔لوگوں نے ہندوؤں سے کہا کہ تم مسلمان کیوں ہوگئے تو انہوں نے حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے انسان کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ہم نے یہ چہرہ دیکھ کر اسلام قبول کرلیا ہے۔اللہ رب العزت نے ایسا کمال عطا کیا تھا۔

حضرت مدنیؒ اور عشق رسول ﷺ:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اللہ رب العزت نے عشق رسول ﷺ خوب بھر دیا تھا۔ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ ذی الحجہ کے جب پہلے دس دن آتے تو ان کی طبیعت کے اندر بے قراری آتی۔ چنانچہ ذی الحجہ کے ان دس دنوں میں جسم یہاں ہوتا مگر دل وہاں ہوتا۔سارا دن وہیں کے بارے میں سوچتے رہتے حتیٰ کہ دسترخوان پر روٹی کھانے بیٹھتے تو بعض اوقات روٹی کھاتے اٹھ جاتے اور کھڑے ہوکر کہتے، معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔کوئی غلاف کعبہ کو پکڑ کر دعائیں

مانگ رہا ہوگا، کوئی مقام ابراہیم پر سجدہ ریز ہوگا، تو آپ ان کا تصور ذہن میں لا کر کہتے معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔ اس طرح آپ کو کھانا اچھا نہ لگتا، کبھی آسمان کی طرف دیکھ کر کہتے، معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔

اللہ رب العزت کو یہ بات پسند آئی تو اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کا دروازہ ان کے لئے کھول دیا۔۔۔ ایک مرتبہ آپ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ آپ ہندوستان کے ان برگزیدہ علما میں سے ہیں جن کو اٹھارہ سال مسجد نبوی ﷺ میں درس حدیث دینے کی توفیق نصیب ہوئی۔۔۔ سبحان اللہ۔ وہاں حدیث پڑھاتے ہوئے ادھر گنبد خضراء کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے قال هذا النبی ﷺ

جرأت ہو تو ایسی:

اللہ رب العزت نے دل میں جرأت اتنی دی تھی کہ جب وینہ ہال کراچی میں انگریز نے ان کو عدالت کے اندر حاضر کیا تو انگریز نے کہا، کہ حسین احمد! تمہیں پتہ ہے کہ تم نے ہمارے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا، کہ ہاں مجھے پتہ ہے۔ اس نے کہا، کیا پتہ ہے؟ آپ نے اپنے کندھے کی سفید چادر اس کو دکھا دی۔ انگریز نے کہا کہ یہ کیا ہے؟ فرمایا، کہ یہ میرا کفن ہے جو میں اپنے کندھے پر لئے پھرتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ میری موت کا حکم صادر ہو جائے گا۔ مجھے پھانسی چڑھا دی جائے گی تو مجھے کسی سے اپنا کفن مانگنے کی بھی ضرورت نہیں ہوگی۔

فنا فی اللہ کی تہہ میں بقا کا راز مضمر ہے   جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ورثۃ الانبیا ہونے کا حق ادا کر دیا تھا۔

متقدمین کا قافلہ:

علمائے دیوبند کے بارے میں شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''صحابہ کرام کا ایک قافلہ جا رہا تھا ان میں سے چند ارواح کو اللہ تعالیٰ نے پیچھے روک لیا۔ یہ وہی روحیں تھیں جن کو اس دور کے اندر پیدا کر دیا تاکہ بعد میں آنے والے متاخرین متقدمین کی زندگی کے نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں''۔

اور واقعی ان کی اتباع سنت کو دیکھیں، ان کے تقویٰ کو دیکھیں تو یہی نظر آتا ہے کہ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک یہ حضرات نبی علیہ السّلام کی سنتوں سے سجے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے چناؤ:

یہ کوئی اتفاقی باتیں نہیں تھیں۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چناؤ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھئے ایک روایت میں آتا ہے کہ ہر صدی کے آخر پر اللہ تعالیٰ ایک بندے کو پیدا فرماتا ہے جو مجدد ہوتا ہے، جو دین کی تجدید کا کام کرتا ہے، جو شرک و بدعات و رسومات کو ختم کر دیتا ہے اور نبی علیہ السّلام کی سنتوں کو دوبارہ زندہ کر دیتا ہے تو 100 سال کے بارے میں حدیث پاک میں بھی اس کا تذکرہ ہے۔تو علمائے دیوبند چنے ہوئے لوگ تھے اگر ان کی زندگیوں کا جائزہ لیں تو ان کی زندگیوں میں عجیب تناسب نظر آتا ہے۔ آپ کے سامنے دو تین مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

آپ ذرا غور کیجئے گا کہ شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1239ھ میں ہوئی اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1337ھ میں ہوئی۔تقریباً سو سال کا فرق ہے۔شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی مجاہد تھے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بھی مجاہد تھے۔شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے انگریز کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے دیا تھا اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتویٰ کے اوپر عمل کر کے دکھا دیا تھا۔تقریباً ایک سو سال کے بعد ان

کی وفات ہو رہی ہے۔100 سال کا یہ وقفہ اتفاقی بات نہیں تھی۔ بلکہ یہ قدرت کا چناؤ نظر آتا ہے۔
حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1246ھ میں ہوئی اور شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1346ھ میں ہوئی۔ حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ نے شرک و بدعت کو ختم کیا تو شاہ اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ نے تقویت الایمان لکھ کر شرک کی جڑیں کاٹ کے رکھ دیں۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بدعات کا قلع قمع کر دیا تھا۔ ان دونوں کی وفات میں بھی پورے 100 سال کا فرق بنتا ہے۔
علامہ شامی رحمۃ اللہ کی وفات 1252ھ میں ہوئی تو علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات 1352ھ میں ہوئی۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ بھی علم کے سمندر تھے اور حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی علم کے سمندر تھے۔ یوں لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک چناؤ ہے۔ ایک بندہ جب دنیا سے رخصت ہوتا تھا اللہ دوسرے بندے کو پیدا فرما دیتے ہیں اور آئندہ آنے والے 100 سال میں وہ بندہ کام کرتا تھا۔
اللہ تعالیٰ نے علمائے اہلسنت دیوبند سے دین کا کام لیا تو ہمارا ان کے ساتھ روحانی علمی تعلّق ہے۔ الحمدللہ آج ان حضرات کے علمی فرزند موجود ہیں۔ جن حضرات نے نبی علیہ السّلام کی ایک ایک سنت پر عمل کیا اور انہوں نے دین کے پرچم لہرا دیئے۔ انگریز کے خلاف جہاد کیا جس کی وجہ سے آج ہم آزادی کا سانس لے رہے ہیں۔ ہمارا علمی رشتہ ان سے لے کر نبی ﷺ تک پہنچتا ہے۔

ہم ٹپکے کے آم نہیں:

ہم کوئی ٹپکے کے آم نہیں ہیں۔ آپ نے یہ الفاظ پہلے بھی سنے ہوں گے کہ آم کا باغ ہوتا ہے تو اس میں مختلف نسل کے آم ہوتے ہیں۔ باغ کا مالی جس درخت سے وہ آم توڑتا ہے تو وہ ٹوکری میں ڈال کر نام لکھ دیتا ہے کہ یہ فلاں نسل کے آم ہیں۔ چنانچہ منڈی میں آ کر آم نسل کے نام سے بکتے ہیں۔ نام سے

بکنے کی وجہ سے ان کی قیمت زیادہ لگتی ہے۔لیکن کچھ آم ایسے ہوتے ہیں کہ جن کو پرندے خود توڑ کے پھینک دیتے ہیں وہ بہت سارے آپس میں مل جاتے ہیں تو ان کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ کس نسل کے ہیں۔ان کو باغ والا آدمی ٹوکری میں بھر دیتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ یہ ٹپکے کے آم ہیں۔ مجھے ان کی نسل کا پتہ نہیں ہے۔ ٹپکے کے آم خریدنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔

مقدس علمی رشتہ:

ہم رات کے اندھیرے میں نہیں بلکہ دن کی روشنی میں کہتے ہیں کہ ہم ٹپکے کے آم نہیں ہیں بلکہ ہمارا علمی رشتہ نبی علیہ السّلام تک پہنچتا ہے۔علما دیو بند کو اللہ رب العزت نے جو علمی کمالات عطا کئے الحمدللہ ان علمی کمالات کا رشتہ نبی علیہ السّلام تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ علما دیو بند کے سرخیل امام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

☆ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت شاہ اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت شیخ ابوطاہر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت شیخ حسام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا ربیع بن سعید رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت ربیع ابن سعید رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا ابواسحاق مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت ابواسحاق مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام محدث یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت امام محدث یحیٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا امام حماد رحمۃ اللہ علیہ سے

☆ حضرت امام حماد رحمۃ اللہ علیہ نے دین سیکھا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے

☆ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے دین سیکھا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ہماری یہ علمی اور روحانی نسبت نبی علیہ السّلام کے ساتھ جا کر ملتی ہے۔

ذکر کا بنیادی مقصد:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ فرماتے تھے کہ ذکر کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان کے رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں کا کھوٹ نکل جائے۔ جو اذکار بتلائے جاتے ہیں اور تزکیہ نفس کی جو محنت کروائی جاتی ہے اس کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ اس ذکر کے کرنے سے اندر ایسی کیفیت آ جاتی ہے کہ دل منور ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ علوم و معارف کی بارشیں کر دیا کرتے ہیں۔

علوم و معارف کی بارش:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ ہم شیخ الہند سے جلالین شریف پڑھا کرتے تھے اور میں تکرار کے وقت طلبا کا مانیٹر تھا۔ میرے ذمے تکرار ہوتی تھی۔ ایک دفعہ تکرار کرتے ہوئے ایک اشکال وارد ہوا جو رفع ہی نہیں ہوتا تھا۔ سب طلبا نے سوچا مگر کسی کے ذہن میں جواب نہیں آیا۔ بالآخر سب طلبا نے کہا کہ تم چونکہ ذمہ دار ہو اس لئے کل کے درس سے پہلے حضرت سے اس کا جواب

پوچھ لو۔ میں نے کہا بہت اچھا ۔ اگلے دن میں نے جلالین شریف اپنی بغل میں لی اور فجر کے لئے مسجد میں آ گیا۔

سردی کا موسم تھا میں نے فجر کی نماز پڑھتے ہی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے قریب جانے کی کوشش کی۔ مسجد کے ساتھ ہی ان کا حجرہ تھا۔ میرے جانے سے پہلے وہ حجرے میں تشریف لے گئے اور دروازے کی کنڈی بند کر لی۔ میں دیر سے پہنچا۔ میں نے دل میں سوچا کہ اشرف علی! تجھے اپنے نفس کو سزا دینی چاہیئے کہ نکلنے میں تاخیر کیوں ہوئی۔ چنانچہ سردی کے موسم میں میں دروازے کے باہر کھڑا ہو گیا کہ جب حضرت اشراق پڑھ کر نکلیں گے تو میں حضرت سے ان کا جواب پوچھ لوں گا۔ فرماتے ہیں کہ میں سردی سے ٹھٹھر رہا تھا۔ لیکن ذرا کان جو لگائے تو اندر حضرت بیٹھے لا الہ کا ذکر کر رہے تھے۔ فرمایا ذکر تو حضرت کر رہے تھے لیکن سن کر مزہ مجھے آ رہا تھا۔ اللہ رب العزت نے ان کو وہ ذوق عطا کیا تھا کہ لا الہ الا اللہ کی ضربوں سے سننے والوں کو وجد آ جاتا تھا۔

حضرت نے اشراق پڑھی تو اس کے بعد دروازہ کھولا، میں حیران ہوا کہ سردی کے موسم میں شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر پسینے کے قطرے تھے۔ ذکر کی حرارت پیشانی پر پسینے کی شکل میں ظاہر ہو رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر فرمایا، اشرف علی! تم یہاں کیسے کھڑے ہو؟ میں نے کہا، حضرت! ایک بات پوچھنی ہے۔ میں نے کتاب کھول دی۔ حضرت نے دیکھا تو اس کے متعلّق تقریر فرمانی شروع کر دی کہتے ہیں کہ حضرت تقریر فرماتے رہے، الفاظ بھی میرے لئے غیر مانوس تھے اور معانی بھی کچھ سمجھ نہیں آ رہے تھے۔ حضرت نے تقریر فرما کر کہا، اشرف علی! تم سمجھ گئے ہو۔ میں نے کہا، حضرت! کچھ سمجھ نہیں آئی۔ میں نے دل میں کہا، حضرت! کچھ نزول فرمائیے۔ تا کہ مجھے بھی بات سمجھ آ سکے۔ حضرت نے دوبارہ تقریر کرنی شروع کر دی۔ دوبارہ جب تقریر کی تو الفاظ تو مجھے کچھ مانوس محسوس ہوتے تھے، سنے ہوئے تھے لیکن مطلب پھر بھی

سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ حضرت نے تقریر مکمّل کی ۔ دوسری مرتبہ فرمایا، اشرف علی ! اب تمہیں بات سمجھ آئی ۔ میں نے کہا، حضرت ! اب بھی سمجھ نہیں آئی ۔ حضرت نے فرمایا، اشرف علی ! میری اس وقت کی باتیں تمہارے فہم وادراک سے بالا ہیں لہٰذا کسی اور وقت میں مجھ سے پوچھ لینا۔

الحمدللہ ہم ان اساتذہ کے شاگرد ہیں جو اللہ رب العزت کا ذکر کرتے تھے تو علوم ومعارف کی اتنی بارش ہوتی تھی کہ ایک ہی مضمون کو کئی کئی انداز سے بیان کرتے تھے مگر سمجھنے والوں کے فہم وادراک سے بالا ہوا کرتی تھیں۔

اُولٰئِكَ آبَائِیْ فَجِئْنِیْ بِمِثْلِهِمْ   اِذَا جَمَعَتْنَا یَا جَرِیْرُ الْمَجَامِعِ

اللہ رب العزت ہمیں ان اسلاف کے نقش قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما دے، ہمیں اپنے آپ پر محنت کرنے اور اپنے علم پر عمل کرنے کی، اپنے اندر سے دورنگی ختم کرنے کی اور اپنے اندر سے معصیت ختم کرنے کی توفیق عطا فرمادے۔ (آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ